بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

مکی دور کے بعض اہم واقعات
اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی

سید جلال الدین عمری

مکہ کے سخت ترین حالات اور آزمائشوں کے طوفان میں اسلام آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ کفر و شرک کو چھوڑ کر اسلام کے دامن میں آنے والے آرہے تھے۔ ان کے لیے اسلام میں کشش کا ایک ہی پہلو نہیں تھا۔ کوئی ایک زاویہ سے متاثر ہو رہا تھا تو کوئی دوسرے زاویہ سے، اور کسی کے لیے کشش کے دو ایک ہی نہیں بہت سے اسباب تھے اور وہ بے ساختہ اس کی طرف کھنچ رہا تھا۔ آئیے ان اسباب کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے مکہ اور حجاز پورا کا پورا شرک اور بت پرستی میں غرق تھا۔ لیکن اسی ماحول میں بعض وہ افراد بھی تھے جو اسے سخت ناپسند کرتے اور اس سے دامن کش تھے۔ ان کے سامنے کوئی واضح راستہ نہیں تھا۔ کسی نے عیسائیت کے دامن میں پناہ لی اور کوئی تلاش حق میں حیران و سرگرداں گھومتا رہا۔ مورخین نے اس طرح کے افراد میں ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث اور زید بن عمرو بن نفیل کا ذکر کیا ہے۔ یہ سب بعثت سے کچھ پہلے کے تھے۔

ان چاروں افراد نے آپس میں کہا کہ ہماری قوم دین ابراہیم کو چھوڑ چکی ہے اور پتھروں کی پرستش کرنے لگی ہے، حالانکہ یہ پتھر کے بت نفع و ضرر کی کوئی طاقت نہیں رکھتے ہیں کوئی دوسرا دین تلاش کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ اس کی تلاش میں نکل

کھڑے ہوئے[1]

ان افراد میں زید بن عمرو بن نفیل کی اس پہلو سے شہرت ہے کہ وہ بت پرستی کے شدید مخالف تھے، اس سے سخت اجتناب کرتے تھے، بتوں کے نام پر جو جانور ذبح کیے جاتے وہ نہیں کھاتے تھے کہتے تھے: بکری کو اللہ تعالی نے پیدا کیا، اسی نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے لیے چارہ اگایا اور تم ہو کہ اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو۔ انھوں نے دین حق کی تلاش میں شام کا سفر کیا، یہود و نصاریٰ کے علماء سے ملاقات کی، مگر انھیں اطمینان نہیں ہوا۔ وہ اپنے طور پر اللہ تعالی کی عبادت کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ آج میرے علاوہ کوئی دین ابراہیم پر قائم نہیں ہے۔ جو اشخاص جہالت کی وجہ سے اپنی بچیوں کو زندہ دفن کرنے کا ارادہ کرتے، ان سے بچیوں کو لے کر ان کی پرورش کرتے۔ وہ بڑی ہو جاتیں تو ان کے سرپرستوں سے کہتے کہ چاہو تو تم انھیں لے جاؤ ورنہ میں خود ان کے اخراجات برداشت کروں گا[2]

ابن ہشام کہتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل نے یہودیت یا نصرانیت نہیں اختیار کی، اپنی قوم کے دین (شرک) کو بھی چھوڑ رکھا تھا، بتوں کی پرستش سے دور رہتے، مردار، خون اور بتوں کے نام پر ذبح کیے گئے جانور استعمال نہیں کرتے تھے، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع کرتے تھے، قوم میں جو خرابیاں تھیں انھیں کھل کر بیان کرتے تھے۔[3]

عامر بن ربیعہ کا بیان ہے کہ زید کہا کرتے تھے کہ میں حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے دین پر عمل کر رہا ہوں۔ مجھے بنو اسمٰعیل میں سے ایک نبی کا انتظار ہے۔ نہیں معلوم اس کی بعثت تک میں زندہ رہوں گا بھی یا نہیں؟ اگر تمہاری حیات باقی رہے تو میرا سلام ان تک پہونچانا۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی خبر دی۔ ایک روایت کے مطابق آپ کی بعثت سے پانچ سال قبل

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲۵۹/۱

[2] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل۔

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲۶۱/۱

ان کا انتقال ہوا [1]

زید بن عمرو بن نفیل کو ایمان کی دولت نہیں ملی لیکن ان کے صاحب زادے حضرت سعید بن زیدؓ کا شمار 'السابقون الاوّلون' میں ہوتا ہے، جنھوں نے اعلانِ رسالت کے بعد ایمان لانے میں تاخیر نہ کی۔

ورقہ بن نوفل بھی بت پرستی سے متنفّر اور بے زار تھے۔ انھوں نے نصرانیت اختیار کرلی۔ عبرانی زبان سے واقفیت حاصل کی تھی۔ اس میں اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ عبرانی سے عربی میں ترجمانی کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حیات تھے۔

پہلی مرتبہ نزولِ وحی کا حال آپؐ نے انھیں بتایا تو پورے وثوق سے کہا کہ آپ پر وہی فرشتہ نازل ہوا ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ آپ کے ساتھ آپ کی قوم زیادتی کرے گی۔ آپ کو مکہ سے نکال دے گی۔ اس وقت تک اگر میں زندہ رہا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے۔ اعلانِ رسالت سے پہلے ہی انتقال کر گئے [2]

عبید اللہ بن جحش شش و پنج میں پڑے رہے۔ کوئی فیصلہ نہ کرسکے۔ بعثت کے بعد اسلام لے آئے۔ مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی تو اپنی بیوی اُمِّ حبیبہؓ کے ساتھ انھوں نے بھی ہجرت کی۔ وہاں پہونچ کر اسلام سے منحرف ہو گئے اور نصرانیت قبول کرلی۔ وہیں نصرانیت ہی کی حالت میں انتقال کر گئے [3]

عثمان بن الحویرث کو قیصر نے تاج پہنایا اور مکہ کا بادشاہ قرار دیا لیکن مکہ

---

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۷/ ۵۲۵-۵۲۶۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ذہبی، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۹۴-۹۵۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۱۵۳-۱۵۹۔

[2] بخاری، کتاب بدء الوحی۔ علامہ طبری اور علامہ بغوی وغیرہ نے ورقہ بن نوفل کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اس لیے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلام کی حالت میں انتقال ہوا۔ لیکن یہ روایات کمزور ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ ابن حجر، الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۶/ ۴۷۴-۴۷۷۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۵/ ۴۱۶-۴۱۷

[3] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۲۶۰

کے قبائل حرّیت پسند تھے۔ انھوں نے کسی کی بادشاہت قبول کرنے سے انکار کردیا۔ شام ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔[۱]

یہ چار افراد ہی نہیں بلکہ اور افراد بھی تھے جو بت پرستی سے مجتنب تھے۔ علامہ ابن جوزی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، زید بن عمرو بن نفیل، عبیداللہ بن جحش، عثمان بن حویرث، ورقہ بن نوفل، رباب بن البراء، اسعد بن کریب الحمیری، قس بن ساعدہ الایادی، ابوقیس بن صرمہ نے دور جاہلیت میں بھی کبھی بت پرستی نہیں کی۔ علامہ حلبی اسے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے بت پرستی نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ سب اصطلاحی معنی میں مومن و مسلم تھے۔[۲]

اس طرح کے لوگ اور بھی رہے ہوں گے جن کی فطرت شرک سے ابا کررہی ہوگی، جنھیں اسلام کی دعوتِ توحید دل کی آواز محسوس ہورہی ہوگی، اور اسے قبول کرنے میں انھیں سکون اور راحت محسوس ہوتا ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اسلام آیا تو انھیں اس کے دینِ حق ہونے میں ذرا تامل نہ ہوا اور انھوں نے اسے لپک کر قبول کیا۔ اس طرح کے افراد کا حال ضروری نہیں کہ پہلے سے معلوم ہو لیکن دعوتِ توحید کے اٹھتے کے بعد وہ خود بخود سامنے آنے لگتے ہیں۔

۲۔ اس نازک دور میں جن اصحاب نے اسلام قبول کیا وہ معاشرہ کی اخلاقی گندگیوں سے بڑی حد تک پاک تھے، اخلاق و کردار کے لحاظ سے نمایاں اور ممتاز مقام کے حامل تھے۔ ان کی نیکی اور شرافت معاشرہ میں مسلّم تھی۔ انھیں اسلام کی دعوت خیر اور بھلائی کی دعوت محسوس ہوئی۔ اسلام کی تعلیمات ان کے مزاج اور سیرت سے اس قدر ہم آہنگ تھیں کہ وہ اس سے کنارہ کش نہیں رہ سکتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے اسلام لائیں۔ اس کے بہت سے اسباب تھے۔ ایک سبب ان کی فطری نیکی بھی تھی۔ دورِ جاہلیت میں بھی انھیں 'طاہرہ' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔[۳]

۱؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ مع التعلیق : ۱/۲۶۱

۲؎ حلبی، السیرۃ الحلبیہ : ۱/۳۳۵

۳؎ ابن اثیر، اسد الغابہ : ۷/۸۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان رسالت کے بعد حضرت عثمان بن مظعونؓ جلد ہی ایمان لے آئے۔ یہ عرب کے ان صالح اور نیک طبع انسانوں میں سے تھے جن کے لب دورِ جاہلیت میں بھی شراب سے ناآشنا رہے، جب کہ شراب کا استعمال اس وقت پانی کی طرح ہو رہا تھا۔ علامہ ابن البر کہتے ہیں:۔

کان عثمان بن مظعونؓ احد من حرّم الخمر فی الجاھلیۃ[۱]	عثمان بن مظعون ان لوگوں میں سے ایک تھے جنھوں نے جاہلیت میں شراب کو حرام کر رکھا تھا۔

فرماتے تھے کہ میں ایسی چیز استعمال نہیں کر سکتا جو میری عقل اور میرے ہوش وحواس ختم کر دے، جس کے استعمال کے بعد مجھ سے کم تر لوگ مجھ پر ہنسیں اور جو مجھے کسی قریب ترین عزیزہ پر بھی دست درازی پر اکسانے لگے[۲]

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر وہ شروع ہی میں اسلام لے آئے۔ ان کے متعلق بھی تاریخ کا بیان ہے:۔

کان عبد الرحمٰن حرّم الخمر فی الجاھلیۃ[۳]	عبدالرحمٰن بن عوف نے دورِ جاہلیت میں اپنے اوپر شراب حرام کر رکھی تھی۔

اس طرح کا ذکر اور صحابہ کے ذیل میں بھی ملتا ہے۔

حضرت صہیب رومیؓ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب کہ چند ہی لوگ اس کے دائرے میں آسکے تھے۔ وہ فطری طور پر نیک اور خدا ترس تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

لو لم یخف اللہ لم یعصہ[۴]	اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تب بھی وہ معصیت نہ کرتے۔

مطلب یہ کہ اب تو اللہ کا خوف انھیں دامن گیر ہے۔ ان کے قدم معصیت

---

[۱] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۳/ ۱۶۶

[۲] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۳۹۳-۳۹۴

[۳] ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۴/ ۲۹۳ [۴] ابن رجب، شذرات الذہب: ۱/ ۲۱۷

کی طرف اٹھ ہی نہیں سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر ایک کے اندر کسی نہ کسی کمزوری کی نشان دہی کی جاسکتی ہے، سوائے ابوعبیدہؓ بن جراح کے۔[۱]

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ قریش کے تین اشخاص سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ با اخلاق اور سب سے زیادہ حیادار تھے۔ یہ ابوبکر، عثمان اور ابوعبیدہ (رضی اللہ عنہم) تھے۔[۲]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت جعفرؓ قدیم الاسلام ہیں۔ دار ارقم کے مرکزِ دعوت بننے سے پہلے ہی اسلام لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اخلاق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ اشبہتَ خَلقی وخُلُقی[۳] (تم اپنی شکل وصورت اور اخلاق دونوں میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جعفرؓ مسکینوں سے محبت کرتے، ان کے پاس بیٹھتے، ان سے باتیں کرتے اور وہ ان سے باتیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں 'ابوالمساکین' کہا کرتے تھے۔[۴]

یہ وہ اصحاب ہیں جو اسلام کی علی الاعلان دعوت شروع ہونے سے پہلے ہی اس کے دائرہ میں آتے چلے گئے۔ ان کی نیکی اور اخلاق کی بلندی انھیں کھینچ کر اسلام کی طرف لے گئی اور اسے انھوں نے بخوشی گلے لگالیا۔

۲۔ جو اصحاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے انھیں آپ کے اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ سیرت متاثر کر رہی تھی۔ آپ نے وحی کے پہلے تجربہ سے خوف اور اندیشہ کی کیفیت محسوس کی اور اپنی اہلیہ حضرت خدیجہؓ سے اس کا اظہار کیا تو انھوں نے

۱؎ اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ہٰذا مرسل ورجالہ ثقات۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۲/۲۷۷

۲؎ ابن حجر، الاصابہ: ۲/۲۷۷

۳؎ بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ

۴؎ ترمذی، کتاب المناقب، مناقب جعفر بن ابی طالبؓ

ان الفاظ میں اطمینان دلایا:۔

کلّا واللہ مایخزیک	ہرگز نہیں! اللہ آپ کو کبھی رسوانہ
اللہ ابداً، انّک لتصل	کرے گا (اس لیے کہ) بے شک آپ
الرحم وتحمل الکلّ،	صلہ رحمی کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ اٹھاتے
وتکسب المعدوم، وتقری	ہیں، قیمتی چیز حاصل کرتے (اور دوسروں
الضیف وتعین علی نوائب	پر خرچ کرتے) ہیں، مہمان نواز ہیں، حق
الحق۔ وفی روایۃ و	کی مشکلات میں مدد کرتے ہیں۔ (ایک
تصدق الحدیث وفی	روایت ہے کہ) آپ راست گو ہیں اور
روایۃ وتؤدی الامانۃ[1]	(ایک دوسری روایت میں ہے کہ) امانت
	ادا کرنے والے ہیں۔

آپ پر سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ ایمان لائے۔ یہ آپ کا قریب ترین حلقہ تھا۔ اس کے سامنے آپؐ کی پوری زندگی کھلی کتاب کی مانند تھی، اس کا ایک ایک ورق وہ دیکھ رہے تھے۔ وہ یہ تصور ہی نہیں کر سکتے تھے کہ جو شخص صداقت اور راستی کا پیکر ہو، جس کی زبان کبھی دروغ بیانی اور کذب وافترا سے آلودہ نہ ہوئی ہو وہ اچانک اتنا بڑا جھوٹ بولے گا کہ اس کے پاس خدا کا فرشتہ اس کا کلام لے کر آیا ہے۔ ان کی عقل یہ باور نہیں کرتی تھی کہ جس نے آج تک کسی کو کسی معاملہ میں دھوکا نہ دیا ہو، وہ خدا کا نام لے کر خلقِ خدا کو فریب دے گا۔ جو شخص زندگی بھر انسانوں کا ہمدرد، بہی خواہ اور غم گسار رہا ہو، ان پر اپنی دولت لٹا رہا ہو، وہ ان کے ساتھ عداوت اور بدخواہی کا ارادہ کرے گا اور انھیں نقصان پہونچائے گا وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ آپ جیسے نیک اور صالح انسان پر شیطانی خیالات اثر انداز ہو گئے ہوں گے، اس لیے کہ آپ کا تقویٰ اور طہارت اور آپ کی پاکیزہ تعلیم اس کی صاف تردید کر رہی تھی۔ وہ آپ کے بہکنے کا بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کہ زبانِ مبارک سے

---

[1] بخاری، کتاب الوحی مع فتح الباری: ۱/۲۷

حکمت و دانائی کے چشمے پھوٹ رہے تھے اور عقل ان کی صحت و صداقت کا اعتراف کر رہی تھی۔ اس سیرت و کردار نے پہلے قریب ترین افراد کے دل کھول دئے، پھر اور افراد بھی اس کے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔

حضرت ابوبکرؓ شروع ہی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق خاص تھے۔ آپ کی سیرت، رسول اللہؐ کی سیرت سے ہم آہنگ تھی۔ اسلام کی تبلیغ و توسیع میں اس کا بڑا دخل رہا۔ آپ کی سیرت و کردار کا اندازہ ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ مکہ میں جب حالات ناقابل برداشت ہوتے چلے گئے تو آپ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ راستہ میں قارہ کے سردار ابن الدُّغنہؔ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا:

فان مثلك يا ابا بكر	اے ابوبکر تم جیسا شخص نہ مکہ سے
لا يَخرُج ولا يُخرج انك	نکلے گا اور نہ اسے نکالا جائے گا۔ تم تو
تكسب المعدوم، وتصل	قیمتی چیزیں حاصل کرتے ہو (اور دوسروں
الرحم، وتحمل الكلّ، و	پر خرچ کرتے ہو) دوسروں کا بوجھ اٹھاتے
تقرى الضيف، وتعين على	ہو، مہمان نوازی کرتے ہو۔ جائز مشکلات
نوائب الحق [1]	میں مدد کرتے ہو۔

یہ ٹھیک وہی کردار ہے جو حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کیا ہے۔ ابن الدُّغنہؔ نے قریش کے درمیان کھڑے ہو کر حضرت ابوبکرؓ کے اسی کردار کا ذکر کیا اور اعلان کیا کہ میں نے اس شخص کو پناہ دی ہے، اس کے ساتھ زیادتی نہ ہونے پائے۔ علامہ حلبی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے اسلام لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کی وجہ سے سرداران قریش آپ کے دشمن تھے لیکن وہ آپ کی ان خوبیوں کا انکار نہ کر سکے بلکہ یہ ایک طرح کا اعتراف تھا[2]

اس سیرت و کردار کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب اپنے حلقۂ اثر میں اسلام کی دعوت پیش کی تو حضرت عثمانؓ بن عفانؓ، زبیر بن عوامؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینۃ

[2] حلبی: السیرۃ الحلبیۃ: ۱/۴۸۴-۴۸۵

وقاصؓ اور طلحہ بن عبیداللہؓ فوراً ہی ایمان لے آئے[1] انھیں یقین تھا کہ حضرت ابوبکرؓ انھیں غلط راستہ نہیں دکھا سکتے۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ کے بعد ایمان لانے والوں میں ان پانچ اشخاص کا شمار ہوتا ہے۔ یہ اشخاص بعد میں اسلامی تاریخ کے آفتاب و مہتاب بن کر چمکے اور ان کی وجہ سے اسلام کا پیغام آفاقِ عالم میں پہونچا۔

۴۔ حضرت ابوبکرؓ کا اسلام لانا بہت بڑا واقعہ تھا۔ اس سے اسے تقویت حاصل ہوئی اور فروغ ملا۔ اسے اہل مکہ نے اہمیت دی۔ حضرت طلحہؓ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت میں بصریٰ میں تھا۔ وہاں ایک راہب نے مجھ سے کہا کہ مکہ میں آخری نبی کے ظہور کا وقت آگیا ہے۔ دیکھو اس کی حمایت میں تم پیچھے نہ رہ جانا۔ مکہ واپس پہونچ کر میں نے دریافت کیا کہ کیا ان دنوں کوئی خاص واقعہ پیش آیا ہے؟ لوگوں نے کہا،

نعم، محمد بن عبداللہ تنبأ و قد تبعہ ابن ابی قحافہ[2]	ہاں! محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ابوقحافہ کے لڑکے (ابوبکرؓ) نے ان کا ساتھ دیا ہے۔

مکہ کے ابتدائی دور میں حضرت ابوبکرؓ جیسے نمایاں افراد یا سرداران قبائل کی اسلام کی طرف کم ہی توجہ ہوئی۔ ان کا کبر و غرور اسلام قبول کرنے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بنا رہا۔ البتہ نوجوانوں اور کمزور طبقہ کے افراد نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔ امام زہری اس دور کے بارے میں فرماتے ہیں۔

دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ

---

[1] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۸۷-۲۸۸۔ بعض حضرات نے ان پانچ افراد کے ساتھ حضرت ابوعبیدہؓ کا بھی ذکر کیا ہے۔ السیرۃ الحلبیۃ: ۱/۴۴۹۔ حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ ابتدائی دور میں اسلام لانے والوں میں بعض اور بھی نام ہیں۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/۴۳۹

[2] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/۲۱۵۔ ابن سعد ہی کے حوالے سے اسے زرقانی نے نقل کیا ہے۔ شرح الزرقانی علی المواہب: ۱/۲۵۸-۲۵۴۔ نیز ملاحظہ ہو۔ حلبی، السیرۃ الحلبیۃ: ۱/۳۰۱-۳۰۲۔ مزید ۴۴۸۔

الی الاسلام سرًّا وجہرًا	اور علانیہ اسلام کی دعوت دی۔ اللہ
فاستجاب للّٰہ من شاء	کے دین کو نوجوانوں اور کم زور لوگوں
من احداث الرجال وضعفاء	میں سے جس نے چاہا قبول کیا۔ یہاں
الناس حتی کثر من امن بہ[1]	تک کہ آپ پر ایمان لانے والے بڑھنے لگے۔

نوجوانوں کے اسلام قبول کرنے کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان پر باطل افکار اور غلط روایات کی چھاپ زیادہ گہری نہیں تھی۔ انھیں اقتدار سے محروم ہونے کا بھی کوئی خطرہ نہیں تھا۔ وہ کسی بھی نئی بات کو سن سکتے تھے اور وہ سمجھ میں آجائے تو دشواریوں اور مشکلات کو نظر انداز کر کے اسے قبول بھی کر سکتے تھے۔

جو غلام اور کم زور افراد اسے قبول کر رہے تھے انھیں اسلام میں دنیا اور آخرت کی بھلائی نظر آرہی تھی۔ وہ صاف دیکھ رہے تھے کہ خدا کی عبادت و بندگی کی راہ اختیار کرنے کے بعد انسان ہر بندِ غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ انھیں اسلام ایک ہمدرد اور خیر خواہ دین نظر آرہا تھا۔

اس نازک صورت حال میں حسبِ ذیل اقدامات کئے گئے۔

قرآن مجید نے دین کے لیے صبر و ثبات کی مسلسل ترغیب دی اور استقامت کا جذبہ پیدا کیا۔ پیغمبروں اور اللہ کے نیک بندوں کی سیرت، ان کی دعوتی جدّ وجہد اور اس کے لیے عزم و ہمت اور قربانی کا تفصیل سے ذکر کیا اور ان کے اسوہ کو پیش نظر رکھنے اور اسے اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ اہل ایمان سے بار بار کہا گیا کہ جب انھوں نے خدا کے دین کو اختیار کیا ہے تو انھیں صبر و ثبات کا پیکر ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ مخالفین انھیں کم زور اور بے وزن سمجھ کر راہِ حق سے پھیرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ مشکلات سے انھیں ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، مخالفت کا پرچم سرنگوں ہوگا اور دینِ حق کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ	پس صبر کرو۔ بے شک اللہ کا وعدہ

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۱۹۹

حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ○ (الروم: ۶۰)
پکا ہے۔ وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے وہ آپ کو کبھی بے وزن نہ بنانے پائیں۔

فرمایا: صبر کے ساتھ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو، اس کا بہتر انجام سامنے آئے گا۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ○ (یونس: ۱۰۹)
جو وحی آپ پر کی جارہی ہے اسی پر چلتے رہئے اور صبر کیجئے۔ یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

حکم ہوا اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کی راہ پر گامزن رہو، اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ اللہ کے نافرمانوں اور ناشکروں کی بات نہ مانو۔ ان سے دامن کش رہو۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ○ (الدھر: ۲۴)
پس صبر کرو اللہ کے فیصلہ کا اور کسی گناہ گار اور ناشکر گزار کی اطاعت نہ کرو۔

اس طرح کی آیات نے دینِ حق کے مظلومین میں عزم وحوصلہ پیدا کیا اور مصائب ومشکلات کے طوفان میں جینا سکھایا۔ وہ اس یقین کے ساتھ جمے رہے کہ یہی راہِ حق ہے اور اسی میں ہماری کامیابی ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کو اس راہ کی مشکلات سے آگاہ فرماتے کہ یہ ہمیشہ آتی رہی ہیں، اب بھی لازماً آئیں گی۔ ان سے ہراساں ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بالآخر تم ہی کامیاب رہو گے۔

حضرت خبابؓ ان اصحاب میں تھے جن پر سخت ظلم وزیادتی ہو رہی تھی۔ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچا۔ آپ کعبہ کے سایہ میں چادر سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مشرکین کے ہاتھوں ہم لوگ سخت اذیتیں برداشت کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ کیا آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد طلب نہیں فرماتے۔ ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے؟ آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور چہرۂ مبارک کا رنگ سرخ ہو گیا۔ (غالباً حضرت خبابؓ کا اضطراب اور بے چینی گراں گزری) فرمایا: تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان کے جسم کا گوشت لوہے کی کنگھیوں سے ہڈیوں تک کھرچ کر نکال دیا جاتا، ان کے سروں پر آرے چلا کر دو ٹکڑے کر دئے جاتے۔

اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کو مکمل کرے گا، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک چلا جائے گا، سوائے خدا کے اسے کسی کا خوف نہ ہوگا یا ڈر ہوگا تو اس بات کا کہ اس کی بکریوں پر کوئی بھیڑیا حملہ نہ کر دے، لیکن تم ہو کہ جلدی کر رہے ہو[1]

مطلب یہ کہ خدا کی زمین کا نقشہ بدلنے والا ہے۔ ظلم کی جگہ عدل و انصاف کی اور بدامنی کی جگہ امن وامان کی حکومت ہوگی۔ لیکن اس کے لیے صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا۔

حضرت یاسرؓ اور ان کے پورے خاندان (عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن یاسرؓ، ان کی والدہ سمیہؓ) کو بنو مخزوم سخت ترین اذیتیں پہونچاتے تھے۔ اس حالت میں رسولِ خدا انھیں دیکھتے تو فرماتے:۔

صبرًا یا آل یاسر فانّ موعدکم الجنّة[2]	اے آلِ یاسر صبر کرو۔ بے شک تم سے جنت کا وعدہ ہے۔

یا یہ الفاظ زبانِ مبارک سے ادا ہوتے۔

البشروا آل عمّار وآل یاسر فان موعدکم الجنّة[3]	خوش ہو جاؤ اے آلِ عمار اور آلِ یاسر تم سے جنت کا وعدہ ہے۔

۲۔ قرآن مجید نے شروع ہی سے غلامی کے خلاف آواز اٹھائی۔ وہ اپنے مالکوں کے رحم وکرم پر جیتے تھے۔ ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ ان میں سے جن غلاموں اور لونڈیوں نے اسلام قبول کیا ان پر ناقابلِ بیان سختیاں ہو رہی تھیں۔ یہ اسلامی تاریخ کا اہم واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں خرید خرید کر آزاد کیا۔ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، ام عُبیسؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور اس کی بیٹی اور بنو مومل کی ایک لونڈی کا ان ہی میں شمار ہوتا ہے[4] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ابوفکیہؓ اور حضرت بلالؓ کی والدہ حمامہؓ کو بھی آزاد کیا تھا[5]

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ما لقی النبی واصحابہ من المشرکین۔

[2] حاکم، المستدرک: ۳/۴۳۲

[3] حاکم المستدرک: ۳/ ۴۳۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳/ ۲۴۹

[4] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ: ۳/ ۳۲۵

[5] زرقانی علی المواہب اللدنیہ: ۱/۵۰۲۔ نیز ملاحظہ ہو حلبی، السیرۃ الحلبیۃ: ۱/ ۴۸۱ - ۴۸۲

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ نے ان سے کہا: "بیٹے! تم بہت ہی کم زور لوگوں کو طوقِ غلامی سے رہائی دلا رہے ہو، اگر مضبوط لوگوں کو آزاد کر دیتے تو وہ تمہاری حفاظت اور تمہارا دفاع کر سکیں گے۔" حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں۔ کوئی اور مقصد نہیں ہے[۱]

اس دور میں جو غلام اور لونڈیاں اسلام لانے کی وجہ سے اذیتیں برداشت کر رہے تھے اور جنھیں حضرت ابوبکرؓ نے آزاد کیا، روایات میں ان کا تو ذکر ملتا ہے۔ بہت ممکن ہے بعض اور صحابہ نے بھی یہ خدمت انجام دی ہو۔ مثال کے طور پر حضرت عثمانؓ کے متعلق آتا ہے ' اعتق عشرين مملوكا[۲] ' (انھوں نے بیس غلام آزاد کیے) سوال یہ ہے کہ کیا اس کا تعلق مدنی دور ہی سے ہے یا مکہ میں بھی حضرت عثمانؓ کے ذریعہ کسی کو بندِ غلامی سے رہائی ملی تھی؟

۲۔ سیرت کی کتابوں میں مدینہ کی مواخات کا تفصیل سے ذکر ملتا ہے۔ اس کی حکمت واضح ہے۔ اسی حکمت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں بھی صحابہ کرام کے درمیان مواخات کرائی تھی۔ اس میں بالعموم اس بات کا خیال رکھا گیا کہ ایک فرد مالی یا سماجی لحاظ سے کم زور ہو تو دوسرا نسبتاً بہتر حیثیت کا مالک ہو تاکہ وہ اپنے کم زور بھائی کی مدد کر سکے۔ علامہ ابن عبدالبر حضرت زبیرؓ بن العوام کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں مہاجرین (وہ صحابہ جنھوں نے بعد میں ہجرت کی) کے درمیان جب مواخات قائم کی تو حضرت زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان مواخات کرائی۔ مدینہ تشریف لانے کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم ہوئی تو حضرت زبیرؓ کی حضرت سلمہ بن سلمہؓ سے مواخات کرائی[۳]

---

[۱] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۳۵۵-۳۵۶

[۲] مسند احمد: ۱/۱۱۶

[۳] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۲/۹۰۔ امام ابن تیمیہ نے ایک کم زور روایت کی وجہ سے مواخاتِ مکہ ہی کا انکار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس کا انکار صریح واقعات کا انکار ہے۔ فتح الباری: ۷/۹۰-۶۸۹

روایات سے مکہ میں حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت طلحہؓ اور سعید بن زیدؓ کے درمیان مواخات کا ثبوت ملتا ہے۔ بعض روایات سے جو زیادہ قوی نہیں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے درمیان مواخات کرائی تھی[1]۔

اس مواخات کا مقصد یہ تھا کہ اسلام لانے والے دو دو افراد ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں، ایک دوسرے کے مددگار رہوں، ان کے دکھ درد میں کام آئیں، اپنی پریشانیوں اور مشکلات میں ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں۔ جہاں پوری سوسائٹی آدمی کے خلاف ہو، خاندان اور قبیلہ اس کا دشمن ہو وہاں اس اخوت اور بھائی چارہ کی بڑی اہمیت تھی۔

۴۔ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام کو ان سردارانِ قبائل کی حمایت اور پناہ حاصل ہوئی جو کفر و شرک پر قائم تھے۔ اس سے ظلم و زیادتی سے ایک طرح کا تحفظ ملا اور دعوت و تبلیغ کی راہیں کھلیں۔

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کے چچا ابو طالب دس سال زندہ رہے۔ اس پوری مدت میں ان کی حمایت اور پناہ آپ کو حاصل رہی۔ اس کی وجہ سے کسی کو آپ کے خلاف کوئی سخت قدم اٹھانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ہر نازک موقع پر وہ آپ کی حمایت میں کھڑے ہو جاتے۔ وہ آپ کی خاطر پورے قبیلہ کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں تین سال محصور رہے لیکن آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہ سب دینی اور اسلامی جذبہ کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ سے ذاتی اور شخصی تعلق اور قبائلی حمیت کی وجہ سے تھا۔ یہی بات علامہ ابن کثیر نے ان الفاظ میں کہی ہے۔

كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو طالب
أحبّ خلق الله اليه (الى	کو طبعی طور پر خلق خدا میں سب سے زیادہ
ابى طالب) طبعًا، وكان يحنو	محبوب تھے۔ وہ آپ پر شفقت فرماتے،
عليه ويحسن اليه ويدافع	حسن سلوک کرتے، آپ کا دفاع اور

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مضمون 'مواخاتِ مکہ' مطبوعہ ماہنامہ زندگی، جون ۱۹۷۸ء

عنه ويحامی، ويخالف	آپ کی حمایت کرتے اور اس معاملہ میں
قومه فی ذالك مع انه علی	اپنی قوم کی مخالفت کرتے، حالانکہ وہ
دينهم وعلی خلتهم الاّ	خود ان کے دین اور ان کے طریقہ پر
ان الله قد امتحن قلبه	قائم تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا
بحبّه حبًّا طبيعيًا لا شرعيًا[1]	دل آپ کی محبت کے لیے خالص کر دیا
	تھا۔ یہ محبت طبعی تھی۔ شرعی نہیں تھی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ابوطالب کے اپنے دین پر قائم رہنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کارفرما تھی۔ وہ ایمان لے آتے تو آپ کی حمایت جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔ قریش کے نزدیک ان کی عظمت و رفعت باقی نہ رہتی اور ان کی بات کا اعتبار نہ ہوتا۔ وہ ان سے ڈرتے نہ احترام کرتے بلکہ ان کے خلاف صف آرا ہو جاتے اور اپنی طاقت انھیں نیچا دکھانے میں لگا دیتے۔[2]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرتے۔ جو شخص آپ کو تکلیف پہونچانا چاہتا اسے دور رکھتے حالانکہ وہ خود اپنی قوم کے دین پر قائم تھے۔"[3]

ابوطالب کی حمایت کی وجہ سے مخالفین آپ کے خلاف کوئی سخت قدم نہیں اٹھا سکے، لیکن ابوطالب کے انتقال سے مخالفین کے حوصلے بلند ہو گئے۔ انھوں نے آپ کو ایسی اذیتیں دینی شروع کر دیں جن کی وہ پہلے ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ما نالت قريش منّی ما	قریش نے میرے ساتھ کوئی ناپسندیدہ
اكرهه حتیٰ مات ابوطالب[4]	حرکت ابوطالب کے انتقال تک نہیں کی۔

علامہ ابن کثیر کہتے ہیں کہ "آپ کو تکلیف پہونچانے کے جو واقعات ہیں۔ جیسے گردن

---

[1] ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/۴۶۱۔ نیز ملاحظہ ہو ص ۴۶۴

[2] حوالہ سابق

[3] ابن حجر، فتح الباری: ۷/۵۹۱

[4] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۳۰۔ یہی بات طبری نے بھی کہی ہے۔ تاریخ الامم والملوک: ۱/۵۳د

پر اوجھڑی ڈالنا وغیرہ۔ یہ سب میرے خیال میں ابوطالب کے انتقال کے بعد پیش آئے۔[1]

ابوطالب کی حمایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ کی راہ میں مدد ملتی رہی۔ آپ نے کسی بھی مرحلہ میں اس پناہ کو رد نہیں کیا۔

ابوطالب کی وفات کے بعد آپ پر زیادتیاں ہونے لگیں۔ آپ پر اس کا اثر ہوا۔ آپ گھر ہی میں زیادہ تر رہنے لگے۔ بہت کم باہر نکلتے۔

ابولہب کو اس کا علم ہوا تو اس نے آپ سے کہا کہ آپ ابوطالب کے زمانہ میں جو کچھ کر رہے تھے اسے جاری رکھیں۔ قسم ہے لات (معبود) کی، جب تک میں زندہ ہوں آپ کو کوئی گزند نہیں پہونچے گی۔ ظاہر ہے اس کے پیچھے محض قبائلی حمیت کارفرما تھی۔

ایک مرتبہ ابن الغیطلہ نے آپ کے ساتھ بدزبانی کی تو ابولہب آگے بڑھا اور اس کا بری طرح جواب دیا۔ وہ چیختا ہوا نکلا کہ قریش کے لوگو! ابوعتبہ (ابولہب) بے دین ہوگیا ہے۔ اس پر قریش کے لوگ صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے ابولہب کے گھر پہونچے۔ اس نے کہا: میں نے اپنے باپ عبدالمطلب کا دین نہیں چھوڑا ہے لیکن اپنے بھتیجے پر زیادتی نہ ہونے دوں گا۔ اسے اپنی مرضی کے مطابق اپنا کام جاری رکھنے کی اجازت ملنی چاہیے۔ لوگوں نے کہا: "تم نے ٹھیک کیا، رشتہ داری کا حق ادا کیا ہے"۔ اس کے بعد کچھ دن تک آزادی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و رفت جاری رہی۔ کوئی آپ سے تعرض نہیں کرتا تھا۔ سب کو ابولہب کا خوف تھا۔ اسی اثناء میں عقبہ بن ابی معیط اور ابوجہل بن ہشام اس کے پاس پہونچے اور کہا: کیا تمہارے بھتیجے نے تمہیں کچھ بتایا ہے کہ تمہارے باپ عبدالمطلب کا ٹھکانا کہاں ہے؟ اس نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: وہ اپنی قوم کے ساتھ ہیں۔ اس نے ان دونوں کو آپ کے جواب سے مطلع کیا۔ ان دونوں نے کہا کہ وہ تو کہہ رہے ہیں کہ ان کا ٹھکانا نارِ جہنم ہے۔ اس نے پھر آپ سے پوچھا کہ کیا عبدالمطلب

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھی جائے: ابن کثیر۔ السیرۃ النبویۃ: ۲/۱۲۶-۱۲۸۔ ابن ہشام، طبری اور ذہبی وغیرہ مورخین کا بھی یہی رجحان نظر آتا ہے، اس لیے کہ انھوں نے آپ کے ساتھ زیادتی کے واقعات کا ذکر ابوطالب کی وفات کے بعد ہی کیا ہے۔

جہنم میں جائیں گے ؟ آپ نے فرمایا : "ہاں ! جس شخص کی بھی موت عبدالمطلب کے دین پر ہوگی وہ جہنم میں جائے گا۔" ابولہب خفا ہوگیا اور کہا کہ میں تمہارا ابدی دشمن ہوں۔ تم تو کہتے ہو کہ عبدالمطلب جہنم میں جائیں گے۔ اس کے بعد اس کا اور قریش کا رویہ سخت ہوگیا۔[1]

ابو طالب کی وفات کے بعد ہی کا واقعہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس ہوئے تو آپ نے محسوس فرمایا کہ اب قریش پہلے سے زیادہ آپ کے معاملہ میں جری ہو جائیں گے۔ حضرت زیدؓ نے بھی، جو آپ کے ساتھ تھے، کہا کہ قریش نے تو ایک طرح سے آپ کو مکہ سے نکال دیا ہے۔ آپ کو کیسے داخل ہونے دیں گے ؟ آپ نے عبداللہ بن اریقط کو جس سے واپسی میں ملاقات ہوگئی تھی، اخنس بن شریق کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دے تاکہ اللہ کا دین اس کے بندوں تک پہونچائیں۔ اس نے کہا کہ میں خود حلیف ہوں۔ حلیف پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپ نے سہیل بن عمرو کے پاس اسی قاصد کو روانہ کیا کہ وہ آپ کو پناہ دے۔ اس نے کہا کہ بنو عامر بنو کعب کے خلاف پناہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد مطعم بن عدی کے پاس قاصد آپ کی یہی درخواست لے کر گیا۔ وہ تیار ہوگیا۔ آپ مکہ پہونچے۔ رات اس کے گھر گزاری صبح مطعم بن عدی اور اس کے لڑکے، جو چھ یا سات تھے۔ مسلح ہو کر آپ کو حرم لے گئے۔ آپ سے طواف کے لیے کہا اور یہ تلواریں حمائل کیے کھڑے رہے۔ ابوجہل نے (اور بعض روایات کے مطابق) حضرت ابوسفیانؓ نے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، مطعم سے پوچھا کیا، تم نے پناہ دی ہے یا ان کے ساتھ ہو ؟ اس نے کہا میں نے پناہ دی ہے۔ کہا۔ تمہاری پناہ توڑی نہیں جائے گی، اس کا احترام ہوگا۔ تم نے جسے پناہ دی اسے ہم نے پناہ دی۔ آپ طواف سے فارغ ہوئے تو مطعم نے آپ کو

---

[1] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ : ۱/۲۱۱ ۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ : ۲/۱۴۷ - ۱۴۸ حلبی السیرۃ الحلبیۃ : ۲/۵۰ - ۵۱ ، ابن جوزی، الوفا باحوال المصطفیٰ : ص ۲۱۲ - ۲۱۳

گھر پہونچایا۔[1]

مطعم بن عدی کے اس حسنِ سلوک کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ قریش نے بنو ہاشم کا جو مقاطعہ کر رکھا تھا، اسے ختم کرانے میں اس نے اہم رول ادا کیا تھا، یا دونوں ہی باتیں ہوسکتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بدر کے سرداروں (قیدیوں) کے بارے میں مطعم سفارش کرتا تو انھیں چھوڑ دیتا۔[2]

صحابہ کرام نے بھی حسبِ ضرورت غیر مسلم سرداروں کی پناہ حاصل کی۔ یہ بھی ہوا ہے کہ جب انھوں نے اسے دین کے وقار کے منافی سمجھا تو یہ پناہ رد کردی۔

اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو قارہ کے سردار ابن الدغنہ نے پناہ دی اور قریش کے درمیان اس کا اعلان کردیا۔ قریش نے اس پناہ کو قبول کیا اور کہا کہ آپ ابوبکرؓ سے کہئے کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر کریں اور نماز میں جو چاہیں پڑھیں، اس کا اعلان نہ کریں، اس لیے کہ اس سے ہماری عورتوں اور ہمارے بچوں کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اس پر چند دن عمل کرتے رہے۔ بعد میں مکان کے صحن میں مسجد بنالی اور اس میں زور سے نماز اور قرآن پڑھنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ قرآن مجید اس سوز سے پڑھتے تھے کہ آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے۔ یہ دیکھ کر قریش نے ابن الدغنہ سے کہا کہ تم نے ابوبکرؓ کو پناہ دی اور ہم نے اسے مان لیا۔ انھیں گھر کے صحن میں زور سے نماز پڑھنے سے منع کرو۔ اگر وہ اس کے لیے آمادہ نہ ہوں تو ان سے کہو کہ وہ تمہاری پناہ ختم کردیں۔ چنانچہ ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ عرب مجھے بدعہد کہیں۔ اب یا تو آپ اپنی نماز اور عبادت کو گھر کے اندر محدود رکھیں یا خود ہی اعلان کردیں کہ آپ میری پناہ میں نہیں ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میں تمہاری پناہ ختم کرتا ہوں، مجھے اللہ کی پناہ کافی ہے۔ اس کے بعد جلد ہی ہجرت

---

[1] طبری، تاریخ الامم والملوک: ۱/۵۵۵۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۲/۱۵۳-۱۵۴۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ: ۲/۶۶۔ ابن سعد نے اختصار کے ساتھ اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۱۲

[2] زرقانی حوالہ سابق۔

مدینہ کا واقعہ پیش آیا[1]

حضرت عمرؓ نے اسلام کا اعلان کیا تو قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور زدوکوب کرنے لگے۔ اس پر ان کے ماموں نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں نے اپنے بھانجہ کو پناہ دی ہے۔ اس پر لوگ چھٹ گئے[2]

حضرت عمرؓ نے سوچا کہ یہ بات مناسب نہ ہوگی کہ عام مسلمان جو تکلیف برداشت کر رہے ہیں میں اس سے محفوظ رہوں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ماموں سے کہا: مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے کہا ایسا نہ کرو۔ حضرت عمرؓ نے کہا مجھے بہرحال تمہاری پناہ نہیں چاہیے۔

ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ پر جب زیادتی ہو رہی تھی تو عاص بن وائل نے پناہ کا اعلان کیا تھا۔ ہوسکتا ہے حضرت عمرؓ کے ماموں اور عاص بن وائل دونوں ہی نے اس کا اعلان کیا ہو۔

اسی طرح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے حضرت عمرؓ کے قتل کا ارادہ کیا تو عاص بن وائل نے پناہ دی۔ یہ دوسرا واقعہ ہوسکتا ہے[3]

حضرت عثمان بن مظعونؓ کو ولید بن مغیرہ نے پناہ دی تھی۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ایک مشرک کی پناہ کی وجہ سے وہ خود تو امن وسکون کے ساتھ رہ رہے ہیں اور دوسرے اصحاب تکلیف برداشت کر رہے ہیں، تو انھوں نے اسے مناسب نہیں خیال کیا۔ وہ ولید کے پاس گئے اور کہا: اے عبد شمس! تم نے اپنا ذمہ پورا کر دیا، اب میں تمہاری پناہ لوٹا رہا ہوں۔ اس نے پوچھا آخر بات کیا ہے؟ کیا ہمارے کسی شخص سے تمہیں کوئی تکلیف پہونچی ہے؟ انھوں نے کہا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اللہ کی پناہ پر خوش ہوں۔ کسی دوسرے کی پناہ نہیں چاہتا۔ اس نے کہا اچھا تو حرم چلیے۔ میں نے علانیہ آپ کو پناہ دی تھی۔ آپ بھی علانیہ اسے لوٹا دیجئے۔ چنانچہ وہ اس کے ساتھ حرم تشریف

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ۔ ابن ہشام میں تفصیلات میں تھوڑا سا فرق ہے السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۱۰ – ۲۱۱

[2] ماموں سے مراد ابوجہل بن ہشام یا حارث بن ہشام ہوسکتا ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کے رشتہ کے ماموں تھے۔ اس پر بحث گزر چکی ہے۔

[3] ملاحظہ ہو شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ: ۲/۸ – ۹۔ حلبی، السیرۃ الحلبیہ: ۲/۱۶ – ۱۷

لے گئے اور سب کے سامنے اس کی پناہ لوٹا دی۔[1]

حضرت ابوسلمہؓ نے اپنے ماموں ابوطالب سے پناہ طلب کی۔ انھوں نے پناہ دے دی۔ اس پر ابوسلمہ کے قبیلہ (بنو مخزوم) والوں نے ابوطالب سے کہا، ٹھیک ہے آپ نے اپنے بھتیجے محمدؐ کو پناہ دے رکھی ہے۔ ہم اس کا خیال رکھتے ہیں۔ لیکن یہ کیا کہ آپ نے ہمارے آدمی کو بھی اپنی پناہ میں لے رکھا ہے۔ ہم اس کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ ابوسلمہ نے مجھ سے پناہ طلب کی میں نے پناہ دے دی۔ وہ میرا بھانجا ہے۔ میرے بھانجے پر جو ظلم ہو رہا ہو اس کے روکنے کا اگر مجھے حق نہیں ہے تو اپنے بھتیجے کو بھی پناہ دینے کا حق نہیں ہے۔ ابو لہب نے بھی اس کی تائید کی اور کہا کہ اے اہل قریش تم لوگ شیخ کے ساتھ بہت زیادتی کرنے لگے ہو۔ انھیں اپنی قوم کے کسی فرد کو پناہ دینے کی بھی اجازت نہیں دے رہے ہو۔ قسم خدا کی، اس سے باز آجاؤ، ورنہ وہ جو بھی قدم اٹھائیں گے ہم ان کے ساتھ ہوں گے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابولہب ان کے ساتھ تھا اس لیے وہ اسے ناخوش کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے اس سے کہا آپ جو چاہیں گے وہی ہوگا۔ چنانچہ اس پناہ کو انھوں نے باقی رکھا۔[2]

غیر مسلم سردارانِ قبائل نے جو پناہ دی یا ان سے جو پناہ حاصل کی گئی، اس کے دو مقصد ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ناسازگار حالات میں آدمی ذاتی ضرر اور تکلیف سے محفوظ رہے یا زیادہ سے زیادہ بیوی بچوں اور گھر والوں کو کسی بڑے نقصان سے بچالے۔ دوسرے یہ کہ اس سے کفر و شرک کے ماحول میں دعوت و تبلیغ کے مواقع حاصل ہوں اور اس کی راہیں کھلیں۔ پہلی صورت میں جہاں یہ ذاتی وقار کے منافی ہو یا یہ کہ دینی اور ملی نقطۂ نظر سے مفید نہ ہو، اس طرح کی پناہ کو رد کر دینا چاہیے اور رد کر دیا گیا۔ لیکن اگر اس سے تبلیغ دین کے مواقع حاصل ہوں اور دعوت کی راہیں کھلنے کے امکانات ہوں تو اس سے فائدہ اٹھایا گیا اور فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہ اس حکمت عملی کا ایک حصہ ہے جو مکہ کے ماحول میں اختیار کی گئی • • •

۱؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۰۷ - ۴۰۸

۲؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۴۰۹۔ حلبی، السیرۃ الحلبیۃ: ۲/ ۱۲